

جالپا نے پوچھا وہ کیا؟

دی دین۔ پولیس والے بے مروت ہوتے ہیں کسی کی عزت اتار لینا تو ان کے لئے دل لگی ہے۔ رنج صاحب پولیس کمشنر کو بلا کر یہ سب حال حذر کہیں گے۔ کمشنر سوچے گا یہی عورت سارا کھیل بگاڑ رہی ہے اسی کو گرفتار کر لو۔ جج اگر انگریج ہوتا تو نڈر ہو کر پولیس کو تنبیہ کرتا۔ ہمارے بھائی تو ایسے مکدموں پر منہ کھولتے ڈرتے ہیں کہ کہیں اور ان سے بُرا نہ مان جائے۔ رنج صاحب پولیس کمشنر سے جبرور کہیں گے پھر بُرا ہو گا کہ مکدمہ اٹھا لیا جائے یہی ہو گا کہ قلعی نہ کھلنے پائے۔ کبھی کبھی جب گواہ بدلنے لگتا ہے تو پولیس والے اس کے ساتھ بڑی بدعت کرتے ہیں۔

جالپا کو اپنی گرفتاری کا خوف نہ تھا، لیکن یہ خوف ضرور تھا کہ رما پر کہیں آفت نہ آجائے، اس خوف نے اس کی ہمت لپٹ کر دی۔ اس دقت ایسا تنکان معلوم ہوا گو یا سینکڑوں میل کی منزل مار کر آئی ہو۔

کچھ دور اور چلنے کے بعد اس نے دی دین سے پوچھا اب تو ان سے ملاقات نہ ہو سکے گی۔

دی دین نے سر ہلا کر کہا کسی طرح نہیں رہبرہ اور کڑا کر دیا جائے گا چاہے وہ بنگلہ ہی چھوڑ دیا جائے اور اب ان سے ملاقات ہو ہی گئی تو کیا اب کسی طرح اپنا بیان بدل نہیں سکتے۔ دروگ حلفی میں پھنس جائیں گے۔

کچھ دور اور چل کر جالپا نے کہا میں سوچتی ہوں گھر چلی جاؤں، یہاں رہ کر اب کیا کروں گی۔

دی دین نے پُر درد نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔ نہیں نہیں ہو ابھی میں نہ جانے دنگار تم چلی جاؤ گی تو یہاں پل بھر بھی ہمارا جی نہ لگے گا۔ بڑھیا تو رُو کر جان دے دیگی۔ ابھی یہاں رہو دیکھو کیا فیصلہ ہوتا ہے۔ بھیا کو میں اتنے کچے دل کا

آدمی نہیں سمجھتا تھا نہ جانے لوگ کیسے سرکاری نوکری پر جان دیتے ہیں مجھے تو کوئی سو روپے بھی طلب دے تو نوکری نہ کروں۔ اپنے روزگار کی بات ہی دوسری ہے، اس میں آدمی کبھی ٹھکنا ہی نہیں، نوکری میں تو جہاں پانچ چھ گھنٹے ہوئے کہ بدن ٹوٹنے لگا رہو ایسا آنے لگیں۔

راستہ میں اور کوئی بات چیت نہ ہوئی، جا لیا کا دل اپنی شکست مننے کے لئے کسی طرح راضی نہ ہوتا تھا۔ وہ ناکام ہو کر ایک ناظر کی بے تعلقی سے اس تماشے کو دیکھنے پر قناعت نہ کر سکتی تھی۔ وہ اس تماشے میں شریک ہو کر اپنا پارٹ ادا کرنے کے لئے بے قرار ہو رہی تھی، کیا ایک بار پھر ملے ملاقات ہوگی اس کے دل میں ان آتشیں الفاظ کا ایک سلسلہ سا دھک رہا تھا، جو وہ اس سے کہنا چاہتی تھی۔ اسے رما پر ذرا بھی رحم نہ آتا تھا، اس سے شتم بھر بھی ہمدردی نہ ہوتی تھی وہ اس سے کہنا چاہتی تھی تمہاری دولت اور تمہارا عہدہ تمہیں مبارک ہو۔ جا لیا کی نظروں میں اس کی کوئی وقعت نہیں جس نے ان حقیر چیزوں کے لئے اپنا ضمیر بیچ دیا اسے میں انسان نہیں سمجھتی، تم انسان نہیں ہو، تم حیوان بھی نہیں ہو۔ نامرد ہو، رویا ہو۔ جا لیا کا چہرہ فرط غضب سے چمک اٹھا۔ غرور سے اس کی گردن تن گئی وہ شاید سمجھتے ہوں گے جا لیا جس وقت مجھے چھبے دار بگڑی باندھے گھوڑے پر سوار دیکھے گی پھوٹی نہ سمائے گی، جا لیا اتنی کور باطن نہیں ہے، تم گھوڑے پر نہیں آسمان پر اڑو میری نظروں میں قاتل ہو۔ میں نے چلتے چلتے سمجھایا تھا اس کا کچھ بھی اثر نہ ہوا۔ کوئی مضائقہ نہیں۔ جا لیا تمہاری محتاج نہیں ہے۔

(۴۳)

ایک مہینہ گزر گیا جا لیا کئی دن تک بہت بے قرار رہی، کئی بار بخون سا ہوا کہ

سارا واقعہ کسی اخبار میں چھپوا دے۔ لیکن دل کی گہرائیوں میں بھیجی ہوئی کوئی طاقت اس کی زبان بند کر دیتی تھی۔ رما کی طرف سے وہ بے تعلقی ہو گئی تھی۔ اس کے اوپر اب اسے غصہ آتا تھا۔ رحم بھی نہ آتا تھا۔ صرف ایک بے نیازی تھی۔ اس کے مرحلے نے کی خبر پا کر شاید اس کی آنکھوں میں آنسو نہ آتے۔ ہاں اس سے تقدیر کا ایک کھیل سمجھ کر نفوڑی دیر کے لئے رنجیدہ ہو جاتی۔ شادی کا وہ رشتہ جو دو ڈھائی سال پہلے اس کے گلے میں پڑا تھا وہ ٹوٹ چکا تھا۔ صرف اس کا نشان باقی تھا۔ اس درمیان میں اس نے رما کو کئی بار اپنے مکان کے سامنے سے جاتے دیکھا۔ اس کی آنکھیں کسی کی تلاش کرتی ہوئی معلوم ہوتی تھیں۔ ان آنکھوں میں کچھ شرم تھی۔ کچھ غدرِ تقصیر تھا۔ لیکن جا لپانے کبھی اس کی طرف آنکھ نہ اٹھائی۔ وہ شاید اس وقت آکر اس کے پیروں پر گر پڑتا۔ تب بھی وہ اس سے مخاطب نہ ہوتی۔ رما کی اس نفرت انگیز خود غرضی نے جا لپا کے دل کو مجروح کر دیا تھا۔ پھر بھی اس رشتہ اُلٹ کا نشان ابھی قائم تھا۔ رما کی وہ محبت آمیز بے خودی جسے دیکھ کر ایک دن وہ خوشی سے متوالی ہو جاتی تھی۔ کبھی کبھی اس کے باطن میں چھپائی ہوئی تاریکی میں ایک غمناک ٹمٹماتی ہوئی شمع مزاد کی طرح چمک اٹھتی۔ لیکن پھر اسی تاریکی اور غم کا پردہ پڑ جاتا۔ وہی جا لپا جو پہلے بات بات پر ہند کیا کرتی تھی۔ اب خدمت۔ اینثار اور حکم کی مورت بنی ہوئی تھی۔ جگو منع کرتی رہتی۔ پردہ اندھیرے سارے گھر میں جھاڑو لگا آئی۔ بچو کا برتن کر ڈالتی۔ آٹا گوندھ کر رکھ دیتی۔ بڑھیا کو صرف روٹی بنا نا باقی رہ جاتی بڑھیا اسے ٹھیل ٹھال کر رسوئی میں لے جاتی اور کچھ نہ کچھ کھلا دیتی۔ دونوں سناں بڑی کی سی محبت ہو گئی تھی۔

مقدمہ کی کارروائیاں ختم ہو چکی تھیں۔ دونوں طرف کے وکیلوں کی بحث ختم ہو چکی تھی۔ صرف فیصلہ سنانا باقی تھا۔ آج اسی فیصلہ کی تاریخ تھی۔ آج علی الصبح گھر کے کام دھندے سے فرحت پا کر جا لپا روزانہ اخبار دے کے کی آواز پر کان لگائے

بیٹھی تھی۔ گویا آج اس کی تقدیر کا فیصلہ ہونے والا ہے، اتنے میں دیہی دین نے اخبار لا کر اس کے سامنے رکھ دیا۔ جالپا اخبار پر ٹوٹ پڑی اور آج کا فیصلہ پڑھنے لگی۔ فیصلہ کیا تھا ایک خیالی افسانہ تھا جس کا ہیرو راجہ تھا۔ راجہ نے بار بار اس کی تعریف کی تھی سارا مقدمہ اسی کے بیانات پر مبنی تھا۔

دیہی دین نے پوچھا۔ فیصلہ چھپا ہے۔
جالپا نے اخبار پڑھتے ہوئے کہا۔ ہاں ہے تو۔
کس کی سزا ہوئی۔

کوئی نہیں چھوڑا۔ ایک کو پھانسی کی سزا ہوئی۔ پانچ کو دس دس سال کی اور آٹھ کو پانچ پانچ سال کی۔ پھانسی اسی ویش کو ہوگی۔
یہ کہہ کر اس نے اخبار پھینک دیا اور ایک لمبی سانس لے کر بولی۔ ان بیماروں کے بال بچوں کا نہ جانے کیا حال ہوگا۔

دیہی دین نے سرگرمی سے کہا۔ تم نے جس دن مجھ سے ذکر کیا تھا اسی دن سے میں ان سبھوں کا پتہ لگا رہا ہوں۔ اور وہ تو ابھی تک بیاہ ہی نہیں ہوا ہے۔ صرف ویش کے دو چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ بڑھیا ماں ہے اور بیوی ہے۔ یہاں کسی اسکول میں ماسٹر تھا۔

جالپا نے پوچھا۔ اس کے گھر کا کچھ پتہ لگا سکتے ہو!
دیہی نے کہا۔ ہاں ذرا مشکل ہے۔

جالپا۔ تو میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گی۔ ابھی تو وقت ہے۔ چلو دیکھ آئیں۔
دیہی۔ پہلے میں دیکھ آؤں۔ اس طرح آٹھ کر میرے ساتھ کہاں کہاں دوڑتی پیرو گی۔
جالپا نے مجبورانہ انداز سے سر جھکا لیا اور کچھ نہ بولی۔
دیہی دین چلا گیا۔ جالپا پھر اخبار دیکھنے لگی۔ مگر اس کا دھیان ویش کی طرف لگا ہوا

تھا غریب پھانسی پا جائے گا۔ جس وقت اس نے پھانسی کا حکم سنا ہوگا اس کی کیا حالت ہوئی ہوگی۔ اس کی بوڑھی ماں اور بیوی یہ خبر سن کر چھاتی پیٹنے لگی ہوں۔ بیچارہ اسکول ماسٹر ہی تو تھا۔ مشکل سے روٹیاں چلتی ہوں گی۔ اس کی مصیبتوں کے تخیل سے اسے رما کے ساتھ ایسی نفرت پیدا ہوئی کہ ضبط نہ کر سکی۔ دل میں اُبال سا اٹھ رہا تھا کہ رما اس وقت آجلے تو اس کی ملامت کرے کہ وہ بھی یاد کرے۔ تم انسان نہیں ہو۔ تم انسان کی صورت میں نوحہ دار درندے ہو۔ تم اتنے حبیب النفس ہو کہ آج کمینہ سے کمینہ آدمی بھی تمہارے اوپر نفوک رہا ہے۔ تمہیں کسی نے پہلے ہی کیوں نہ قتل کر دیا۔ ان آدمیوں کی جان تو جاتی ہی۔ مگر تمہارے منہ میں کالکھ تو نہ لگتی۔

شام ہوگئی لیکن دی دین نہ آیا۔ رفتہ رفتہ آٹھ بج گئے۔ دفعہ ایک موٹر دروازے پر آکر رک گئی۔ رمل نے اتر کر جگوسے پوچھا۔ کیوں دادی سب خیر دعا فیت تو ہے۔ دادا کہاں لگے ہیں۔

جگوسے نے ایک بار اس کی طرف دیکھا۔ اور منہ پھیر کر بولی کہ کہیں گئے ہوں گے میں کیا جانوں۔

رمانے سونے کی چار چوڑیاں جیب سے نکال کر جگوسے کے پیروں پر رکھ دیں اور بولا۔ یہ تمہارے لئے ابا ہوں دادی بہنو۔ ڈھیلی تو نہیں ہیں۔ جگوسے نے چوڑیاں اٹھا کر زمین پر ٹپک دیں اور انکھیں نکال کر بولی۔ بھگوان کی دیلے بہت چوڑیاں بہن چلی ہوں۔ اور اب بھی سیر دو سیر سونا پڑا ہوگا لیکن چوکھایا اپنا اپنی محنت کی کمائی سے۔ کسی کا گلا نہیں دبا یا۔ رپاپ کی کمائی سے کہ تم ہو کو دینے آئے ہو۔ سمجھتے ہو گے تمہارے روپوں کی تھیلی دیکھ کر وہ لٹو ہو جائے گی۔ اتنے دنوں اس کے ساتھ رہ کر کئی تمہاری لوبھی آنکھ اسے نہ پہچان سکی۔ اگر اپنی خیریت چاہتے ہو تو انہیں پیروں جہاں سے آئے ہو وہیں لوٹ جاؤ۔ اس کے سامنے جا کر کیوں اپنا پانی اترواؤ گے۔ تم آج پولیس کے ہاتھوں زخمی ہو کر آئے ہو تے تو ہو تمہاری

پوچھا کرتی، تمہارے پاؤں دھو دھو کر پتی۔ یہ ان عورتوں میں ہے جو چاہے مصیبتیں سہیں مگر کسی کی برائی نہیں دیکھ سکتی۔ اگر تم میرے لڑکے ہوتے تو ہمیں زہر دے دیتی۔ کیوں مجھے کھڑے جلا رہے ہو، چلے کیوں نہیں جاتے، میں نے تم سے کچھ لے تو نہیں لیا ہے۔

راما سر جھپکائے خاموش منتظر رہا۔ تب دل گرفتہ ہو کر بولا۔ دادی میں نے برائی کی ہے اور اس کے لئے مرتے دم تک شرمندہ رہوں گا۔ لیکن تم مجھے جتنا کمینہ سمجھ رہی ہو اتنا کمینہ نہیں ہوں اگر تمہیں معلوم ہوتا کہ پولیس نے میرے ساتھ کبھی کیسی زلیا تیاں کیں تو مجھ سے اتنی ناراض نہ ہوتیں۔

جالپالکے کاؤں میں ان آوازوں کی بھنک پڑی۔ اس نے زمین سے جھانک کر دیکھا رانا تھکڑا ہے، سر پر بنارسی ریشمی صافہ نقار ریشم کا بڑھیا کوٹ، آنکھوں پر سہری عینک اس ایک ہی مہینہ میں اس کا جسم چوگنا ہو گیا تھا نقار رنگت بھی نکمر آئی تھی، رابھی روفی اس کے چہرے پر کبھی نظر نہ آئی تھی، رانا کی گھنگو کے آخری الفاظ اس کے کاؤں میں پڑ گئے، باز کی طرح ٹوٹ کر دم دم کرتی پیچھے آئی اور بولی، اگر سختیوں سے اتنا دب سکتے ہو تو تم بے عزت ہو، ہمیں اپنے آپ کو مرد کہنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ کیا سختیاں کی عقیں۔ ذرا میں بھی سنوں۔ لوگوں نے ہنستے ہنستے سر گٹائے ہیں۔ اپنے بیٹیوں کو مرتے دیکھا ہے۔ کوہو میں پہلے جانا منظور کیا ہے، مگر حق سے جو کچھ بھی منحرف نہیں ہوئے۔ تم کیوں دھمکی میں آگئے، کیوں نہیں سینہ کھول کر کھڑے ہو گئے کہ اسے گونی کا نشانہ بنا لو، مگر میں جھوٹ نہیں بولوں گا، کیوں نہیں سر جھپکا دیا، روح اس لئے جسم کے اندر رکھی گئی ہے کہ جسم اس کی حفاظت کرے۔ اس لئے نہیں کہ اس کو تباہ کر دے۔ آخر اس کا کیا انجام ملا۔ ذرا معلوم تو ہو۔

رولنے دبی ہوئی آواز سے کہا۔ ابھی تو وعدے ہی وعدے ہیں۔

جالپال نے ناگن کی طرح پھسکار کر کہا۔ یہ سن کر مجھے بڑی خوشی ہوئی، رابھور سے یہی

دعا کرتی رہی تھی۔ لیکن تم جیسے موم کے پتلیوں کو پولیس کبھی ناراض نہیں کرے گی۔ جاؤ شوق سے زندگی کے مزے لوٹو۔ میں نے تم سے پہلے ہی کہہ دیا تھا اور آج پھر کہتی ہوں کہ میرا تم سے کوئی رشتہ نہیں ہے۔ میں نے سمجھ لیا کہ تم مر گئے۔ تم بھی سمجھ لو کہ میں مر گئی بس جاؤ میں عورت ہوں اگر کوئی سختیاں کر کے مجھ سے ایسی شرمناک حرکت کرانے کی کوشش کرے تو چاہے اسے نہ مار سکوں مگر اپنی گردن پر چھری چلا لوں گی۔ کیا تم میں عورتوں کے برابر بھی ہمت نہیں ہے۔

رہنے عاجزی سے گڑ گڑا کر کہا۔ تم میرا کوئی عذر نہ منو گی۔

جا لینے بے اعتنائی سے کہا۔ نہیں۔

تو میں منہ میں کا لکھ لگا کر کہیں نکل جاؤں۔

تمہاری خوشی۔

تم محاف نہ کرو گی۔

کبھی نہیں۔ کسی طرح نہیں۔

راؤ ایک لمحہ تک سر جھکائے کھڑا رہا۔ تب آہستہ آہستہ برآمدے کے نیچے جا کر جگو سے بولا۔ دادا آویں تو کہہ دینا مجھ سے ذرا دیر کے لئے مل لیں۔ جہاں کہیں آ جاؤں۔

جگو نے لکھل کر کہا۔ کل ہیں چلے آنا۔

رہانے موٹر پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ یہاں اب نہ آؤں گا دادی۔

موٹر چلی گئی تو جا لینے جا سدا نہ انداز سے کہا۔ موٹر دکھانے کو آئے تھے جیسے

خرید ہی تو لائے ہیں۔

جگو نے سرزنش کی۔ تمہیں اتنا بے لگام نہ ہونا چاہیے تھا۔ بہوؤں پر چوٹ لگتی ہے تو

آدی کو کچھ نہیں سوچتا۔

جا لینے بیدردی سے کہا۔ ایسے حیا دار نہیں ہیں دادی! اسی عیش کے لئے تو

ایمان بیچا ہے۔ پوچھا نہیں دادا سے مل کر کیا کر دگے۔ وہ ہوتے تو ایسی ٹھیکار نہاتے کہ چھٹی کا دو یاد آجاتا۔

جگو ماتا سے بھرے ہوئے لہجے میں بولی، تمہاری جگہ میں ہوتی تو میرے منہ سے ایسی باتیں نہ نکلتیں۔ تمہارا کلیجہ بڑا سخت ہے، دوسرا مرد ہوتا تو کیا اس طرح جھپکا جھپکا سنتا۔ یہ تو فخر فخر کا منہ رہی تھی کہ کہیں تمہارے اوپر ہاتھ نہ چلا دیں، مگر میں بڑے غمخوار۔ جالپا نے اسمی بے رحمی سے کہا۔ اسے غمخوار نہیں کہتے دادی۔ یہ بے حیائی ہے۔ دیہی دین نے آکر کہا، کیا یہاں بھی آئے تھے۔ مجھے موڑ پر راستے میں دکھائی دیئے تھے۔

جگو نے کہا۔ ہاں آئے تھے کہہ گئے ہیں دادا ذرا مجھ سے مل لیں۔
دیہی دین نے بے دلی سے کہا، ہاں مل لوں گا۔ کچھ اور بات چیت ہوئی۔
جگو چھپٹائی ہوئی بولی بات چیت کیا ہوئی، پہلے میں نے پوچھا کی، میں چپ ہو تو ہونے اچھی طرح مالا پھول چڑھا یا۔
جالپا نے بیباکی سے کہا۔ آدمی جیسا کرے گا ویسا بھرے گا۔
جگو۔ اپنا ہی سمجھ کر ملنے آئے تھے۔
جالپا کوئی بلانے تو گیا نہ تھا۔
یہ کہہ کر اس نے دیہی دین سے پوچھا کہ وینش کا کچھ پتہ لگا دادا۔
دیہی دین نے کہا۔ ہاں سب پوچھ آ یا۔ سوڑے میں گھر ہے پتہ ٹھکانہ سب معلوم ہے۔

جالپا، تو اس وقت چلو گے یا کل کسی وقت۔
دیہی۔ تمہاری جیسی خوشی۔ جی چاہے اسی وقت چلو میں تیار ہوں۔
جالپا تھک گئے بہو گے۔

دی۔ ایسے کاموں میں تھکن نہیں ہوتی۔

آٹھ بج گئے تھے۔ سڑک پر موٹروں کا تانتا بندھا ہوا تھا۔ سڑک کی دونوں طرف پر
پر سبز اردو عورت مرد بیٹے ٹھٹھے پہنتے ہوئے ہوتے جاتے تھے۔ جا لپا نے سوچا۔ دنیا کیسے
اپنے راگ رنگ میں مست ہے جسے اس کے لئے مرنا ہو مرے۔ وہ اپنی عادت نہ چھوڑے
گی۔ ہر ایک اپنا چھوٹا سا شی کا ہی گھر و مذا بنائے بیٹھا ہے۔ ملک تباہ ہو جائے۔ اسے
غم نہیں اس کا گھر و مذا بچا رہے۔ جا لپا کا بھولا بھالا دل اس وقت بازار کو بند دیکھ کر
خوش ہوتا۔ لوگ غم سے سر جھکائے یا غصہ سے تیوریاں بدلے نظر آتے۔ وہ نہ جانتی تھی
کہ خلقت کے اس سمندر میں ایسی چھوٹی چھوٹی لنگر لود نے گرنے سے ایک ہلکوارا بھی
نہیں اٹھتا۔ آواز تک نہیں ہوتی۔

(۴۴)

راموٹر پر بیٹھ کر چلا تو اسے کچھ سوچتا نہ تھا۔ جانے ہوئے رستے اس کے لئے انجام
ہو گئے تھے۔ اسے جا لپا پر غصہ نہ آتا تھا۔ ذرا بھی نہیں جگہ پر بھی اسے غصہ نہ آتا تھا۔ غصہ
آتا تھا اپنی کمزوری پر اور اپنی بے شرمی اور بے غیرتی پر۔ پولیس والوں کے زیر اثر اس کے
ضمیر پر پردہ بڑ گیا تھا۔ وہ کتنی بڑی بے انصافی کرنے جا رہا تھا۔ اس کا اسے صرف اس دن
خیال آیا تھا جب جا لپا نے اسے تنبیہ کی تھی۔ وہ پھر پولیس والوں کے چکمے میں آ گیا۔ افسروں
نے بڑی بڑی امیدیں بندھا کر اسے بہلا رکھا۔ اس کے بعد اسے جا لپا سے ملنے کا موقع نہ
ملا۔ پولیس کا رنگ اس پر چھا گیا۔ آج وہ ایک بڑا ڈھار حیب میں رکھے جا لپا کو اپنی کامیابی
کی خوشخبری دینے گیا تھا۔ وہ جانتا تھا جا لپا پہلے کچھ ناک بھوں سکڑے گی۔ مگر یہ بھی جانتا
تھا کہ یہ ہار دیکھ کر وہ ضرور خوش ہو جائے گی۔ کل ہی صوبہ متحدہ کے ہوم سکرٹری کے نام
پولیس کمشنر کا سفارشی خط اسے مل جائے گا۔ دو چار دن اور لطیف صحبت اٹھانے

کے بدردہ گھر کی راہ لے گا۔ دیہی دین اور جگو کو بھی اپنے ساتھ لے جانا چاہتا تھا۔ ان کا احسان وہ کیونکر بھول سکتا تھا یہی منصوبہ دل میں باندھ کر وہ جا لیا کے پاس گیا تھا۔ جیسے کوئی بے چاری پھول اور شربتی لے کر دیوتا کی پوجا کرنے جائے۔ لیکن دیوتائے اس کے تھال کو ٹھکرا دیا۔ اس کے پیروں کو پیروں سے کچل ڈالا۔ اُسے کچھ کہنے کا موقع ہی نہ ملا۔ آج پولیس کے دائرہ اثر سے بالکل باہر نکل کر آزادی کی فضا میں اس کا ضمیر بیدار ہو گیا تھا۔ اب اپنی خباثت سے اصلی روپ میں نظر آئی۔ اس کے دل میں ایک ہیجان پیدا ہوا کہ اسی وقت جج کے پاس جائے اور وہ سارا واقعہ کہہ سنائے۔ کیا جج اپنا فیصلہ تبدیل نہیں کر سکتا۔ ابھی تو سب ہی ملزم حوالات میں ہیں۔ پولیس والوں کے دانت پیسنے کا اُسے مطلق خوف نہ تھا۔ جا لیا کی وہ غصے میں بھری ہوئی صورت اس کی صورت اس کی آنکھوں میں بھر گئی۔ اُن اکتے طیش میں تھی، اگر وہ جانتا کہ جا لیا اتنی برہم ہو جائے گی تو چاہے دنیا ادھر کی ادھر ہو جاتی اپنا بیان ضرور بدل دیتا۔ اگر کہیں جج نے کچھ سماعت نہ کی اور ملزموں کو بری نہ کیا تو جا لیا اس کا منہ نہ دیکھے گی۔ پھر وہ زندہ ہی کیوں رہے، کسی لئے رہے۔

اس نے موٹر روکی۔ اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ کچھ سمجھ میں نہ آیا کہاں آگیا کیا ایک چوکیدار نظر آگیا۔ رمانے اس سے جج کے ہنگامہ کا پتہ پوچھا۔ چوکیدار ہنس کر بولا۔ حضور تو بہت دور نکل آئے۔ یہاں سے تو چھ سات میل سے کم نہ ہو گا۔ وہ ادھر ادھر چورنگی کی طرف رہتے ہیں۔

راچورنگی کی طرف چلا۔ نو بج گئے تھے۔ معلوم نہیں جج سے ملاقات بھی ہوگی یا نہیں۔ کچھ بھی ہو آج ان سے بغیر اپنی سرگزشت کہے وہ نہیں لوٹے گا۔ اگر انہوں نے کچھ سماعت کی تو اچھا ہی ہے، نہیں تو وہ کل ہائی کورٹ کے ججوں سے کہے گا۔ کوئی تو سنے گا۔ وہ سارا واقعہ اخباروں میں پھیلوا دے گا تب تو سب کی آنکھیں کھلیں گی۔

موٹر میں کی رفتار سے جا رہی تھی، دس ہی منٹ میں چورنگی آ پہنچی، وہاں ابھی تک وہی جیل پہل تھی، مگر اس زمانے سے موٹر لئے جاتا تھا، یکا یک ایک پولیس مین نے لال تہی دکھلائی۔ رملے موٹر روک لی اور سر باہر نکال کر دیکھا تو وہی درد منہ جی۔

درد منہ نے پوچھا، کیا ابھی تک بنگلے پر نہیں گئے۔ کہئے بیگم صاحب سے ملاقات ہوئی۔ میں نے تو سمجھا تھا وہ آپ کے ساتھ ہوں گی۔ خوش تو خوب ہوئی ہوں گی۔ رملے بات بنا کر کہا۔ جی ہاں بہت خوش ہوئیں۔

میں نے تو کہا ہی تھا عورتوں کی ناراضگی کی بھی دوا ہے۔ آپ کا شے جاتے تھے میری حافقت تھی۔

چلئے اب میں آپ کے ساتھ چلتا ہوں۔ ایک بازی ناش اڑے اور ذرا سرور جھے۔ انیسٹر صاحب بھی آئے ہونگے۔ اب آپ منہ رانا نقد کو بنگلے پر ہی کیوں نہیں بلا لیتے۔ رمانے کہا، ابھی تو مجھے ایک ضرورت سے دوسری طرف جانا ہے۔ آپ موٹر لے جائیں، میں پاؤں پاؤں چلاؤں گا۔

درد منہ نے موٹر کے اندر آ کر کہا، نہیں صاحب مجھے تو کوئی جلدی نہیں ہے، آپ جہاں چاہیں چلئے میں ذرا بھی مغل نہ ہوں گا۔

رمانے کچھ ترش ہو کر کہا۔ میں سمجھ رہا ہوں، لیکن میں ابھی بنگلے پر نہیں جا رہا ہوں۔ درد منہ نے مسکرا کر کہا، میں سمجھ رہا ہوں۔ لیکن میں ذرا بھی مغل نہ ہوں گا۔ رمانے جھلا کر کہا۔ آپ جو کچھ سمجھ رہے ہیں وہ بالکل غلط ہے، میں اتنا بے غیرت

نہیں ہوں۔

درد منہ نے کچھ نادام ہو کر کہا۔ اچھا صاحب خطا ہوئی معاف کیجئے، لیکن ابھی آپ اپنے کو خطرے سے باہر سمجھیں۔ آپ کو کئی ایسی جگہ نہ جانے دوں گا جہاں مجھے پورا اطمینان نہ ہو گا۔ میں آپ ہی کے فائدے کے خیال سے یہ عرض کر رہا ہوں۔

رمانے ہوٹ چبا کر کہا۔ بہتر ہو آپ میرے فائدے کا اتنا خیال نہ کریں۔ آپ لوگوں نے مجھے گلیا میٹ کر دیا۔ اور اب بھی گلا نہیں چھوڑتے۔ مجھے اب اپنے حال پر مرنے دیجئے میں اس غلامی سے تنگ آ گیا ہوں۔

یہ کہتا ہوا وہ موٹر سے اتر پڑا۔ اور تیزی سے آگے بڑھ گیا۔ دروغ نے کئی بار پکارا لیکن اس نے پیچھے پھر کر دیکھا تک نہیں۔ کچھ دور جا کر وہ ایک موٹر پر گھوم گیا اسی سڑک پر جج کا ہنگامہ تھا، سڑک پر کوئی آدمی نہ تھا، راکھی اس بازو رکھی اس بازو پر جا جا کر ننگول کے سائیں بورڈ پڑھتا چلا جاتا تھا۔ یکا یک جج کا نام دیکھ کر وہ رک گیا، اندر جانے کی ہمت نہ پڑی، خیال آیا جج نے پوچھا تھا نے جھوٹی گواہی کیوں دی تو کیا جواب دوں گا۔ یہ کہنا کہ پولیس نے مجھ سے زبردستی گواہی دلوائی تو غیبی دیں، تشدد کیا شرمناک معلوم ہوتا تھا۔ اگر وہ پوچھے کہ تم نے محض دو تین سال کی سزا سے بچنے کے لئے اتنے بڑے گناہوں کا خون سر پرے لیا تو اس کا میرے پاس کیا جواب ہے، خواہ مخواہ ذلیل ہونا پڑے گا بے وقوف بنایا جاؤں گا وہ انہیں پاؤں لوٹ پڑا۔ اس ذلت کا مقابلہ کرنے کی اس میں ہمت نہ تھی۔

(۴۵)

را آدھی رات گئے سو یا تو بچے دن تک آنکھ نہ کھلی۔ وہ خواب دیکھ رہا تھا، وینٹس کو بھانسی ہو رہی ہے، اسی وقت دروغ نے آکر کہا، آج تو آپ خوب سوئے با ب صاحب کل کب سوئے۔

رمانے لیٹے ہی لیٹے جواب دیا، ذرا دیر بعد لوٹ آیا، اس مقدمہ کی اپیل تو ہائی کورٹ میں ہوگی۔

دروغہ اپیل کیا ہوگی، مخالفت کی پابندی ہوگی، آپ نے مقدمہ کو اتنا مضبوط

کر دیا ہے کہ اب وہ کسی کے ہائے پر نہیں سکتا۔

دفعاً ڈپٹی اور انسپٹر پولیس دونوں آپہنچے۔ ڈپٹی صاحب نے کہا: ابھی تو آپ سویا ہوا ہے کمشنر صاحب آپ سے بہت خوش ہے۔

یہ دیکھتے انہوں نے آپ کو یہ سفارشیں چھیڑ دی ہے۔ بس یہی سمجھ لیجئے کہ آپ کی تقدیر کھل گئی۔

یہ کہتے ہوئے اس نے ایک لفافہ رما کی طرف بڑھا دیا۔ رمانے لفافہ کھول کر دیکھا، بیکالیک اسے بھاڑ کر پرزہ پرزہ کر ڈالا۔ تینوں آدمی حیرت سے اس کا منہ دیکھنے لگے۔

درد غنے تیز ہو کر کہا: یہ آپ نے کیا ممانقت کی۔

انسپٹر حلف سے کہتا ہوں، کمشنر صاحب کو معلوم ہو گا تو بہت ناراض ہوں گے۔

ڈپٹی: اس کا کچھ مطلب ہماری سمجھ میں نہیں آیا۔ آخر آپ اتنے ناراض کیوں ہیں۔

را: اس کا مطلب یہ ہے کہ مجھے اس خط کی ضرورت نہیں اور نہ میں نوکری چاہتا ہوں۔ میں آج ہی یہاں سے چلا جاؤں گا۔

ڈپٹی: جب تک ہائی کورٹ کا فیصلہ نہ ہو جائے آپ کہیں نہیں جا سکتے۔

را: کیوں؟

ڈپٹی: کمشنر صاحب کا یہ حکم ہے۔

را: میں کسی کا غلام نہیں ہوں۔

انسپٹر: بابو صاحب! آپ ناسحق بنا بنایا کھیل بگاڑ رہے ہیں جو کچھ ہونا تھا ہو گیا۔ دس پانچ دن میں ہائی کورٹ سے فیصلہ کی تصدیق ہو جائے گی۔ آپ کی

بہتری اسی میں ہے کہ جو صلہ مل رہا ہے اسے شکریہ کے ساتھ قبول کیجئے اور آرام سے زندگی کے دن بسر کیجئے۔ خدا نے چاہا تو ایک دن آپ بھی کسی اچھے منصب پر ہوں گے۔ یہ واضح رہے کہ انہوں کی ذرا سی نگاہ بدل جائے تو آپ کا کہیں پتہ نہ لگے، حلف سے کہتا ہوں پولیس کے ایک ذرا سے اشارے پر دس سال کی سزا ہو جائے گی۔ آپ میں کس زعم میں رہیں، آپ کے ساتھ دغا نہیں کرنا چاہتے، ہاں اگر ہمیں بھی پولیس کی چالیں چلنی پڑیں گی، جیل کو آسان نہ سمجھئے گا، خدا دوزخ میں لے جائے۔ پھر جیل کی سزا نہ دے، حلف سے کہتا ہوں کہ جیل دوزخ سے بھی بدتر ہے۔

درد و غم یہ بے چارے اپنی بیوی سے مجبور ہیں، وہ شاید ان کی جان کی گاہک ہو رہی ہے۔

انکسٹر۔ کیا ہوا، کل تو آپ وہ ہمارے گئے تھے، پھر بھی ان کا منہ میرا نہ ہوا۔
رمانے کوٹ کی حبیب سے ہار نکال کر میز پر رکھ دیا اور بولا۔ وہ ہمارے رکھا ہے
ڈپٹی۔ کوئی مفروضہ ہے۔

انکسٹر۔ کچھ ان کی بھی مزاج پر سی کرنی پڑے گی۔
درد و غم۔ یہ تو بالو صاحب کے سہیلے اور بڑاؤ پر منحصر ہے۔
ڈپٹی۔ اس کھٹک سے بھی مچلکھ لینا چاہیے۔

رمانا تھ کے سامنے ایک نیا مسئلہ کھڑا ہو گیا۔ ممکن تھا وہ اپنے کو فرض پر قربان کر دیتا، دو چار سال کی سزا کے لئے بھی تیار ہو جاتا، شاید اس نے ان سختیوں کے لئے اپنے آپ کو آمادہ کر لیا تھا۔ لیکن اپنے ساتھ جا لیا کو بھی مصیبت میں ڈالنے کا ارادہ کسی طرح نہ کر سکتا تھا۔ اس نے دیکھا کہ وہ پولیس کے نیچے میں کچھ اس طرح پھنسی گیا ہے کہ اس کے بے داغ بیچ نکلنے کی کوئی صورت نہیں ہے۔ وہ پولیس سے ہرگز پیش نہیں پا سکتا، اس خیال نے اس کی تیزی اور تندہی غائب کر دی۔

بیکانہ انداز سے بولا۔ آخر آپ لوگ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟
 انکیپٹ نے درود کی طرف دیکھ کر آنکھ ماری۔ گو یا کہہ رہے ہیں، آگیا پیچھے میں اور پوے
 بس ہم اتنا ہی چاہتے ہیں کہ آپ ہمارے مہمان بنے رہیں اور مقدمہ ہائیکورٹ سے طے
 ہو جانے کے بعد خوش خوش رخصت ہو جائیں۔ کیونکہ اس کے بعد ہم آپ کی حفاظت
 کے ذمہ دار نہ ہوں گے۔ ابھی جو خط آپ نے پھاڑ کر پھینک دیا ہے اس کی نقل دوبارہ مل
 سکتی ہے، اگر آپ دُور اندیش ہیں تو اس سے اپنی زندگی کی اصلاح میں کام لیں گے
 نہیں تو ادھر ادھر کے دھکے کھائیں گے، اور آپ کے اوپر گناہ بے لذت کی مثل صادق
 آئے گی، اس کے سوا ہم آپ سے کچھ نہیں کہتے۔
 تینوں افسر رخصت ہو گئے۔ اور رہا ایک سگارا جلا کر ان معاملات پر غور
 کرنے لگا۔

(۴۶)

ایک مہینہ اور نکل گیا، ہائی کورٹ میں مقدمہ کی تاریخ مقرر ہو گئی ہے دریا پر پھر
 پولیس کا رعب غائب آگیا ہے اور وہ پھر سابق دستور افسروں کے اشاروں پر نچتا ہے وہ
 اب پہلے سے کہیں زیادہ شراب پیئے لگا ہے اور اس کی مزید دلچسپی کے لئے پولیس نے
 زہرہ نام کی ایک نازنین کو بھی مقرر کر دیا ہے۔ زہرہ حسین ہے خوش گلو ہے اور مزاج
 شناس ہے۔ اس نے اپنی ہمدردانہ باتوں سے رانا تھ کو گرویدہ کر لیا ہے۔ اس کی
 سادگی اور خلوص نے زہرہ کو بھی اس سے باز کر دیا ہے۔ اب تک اُسے جن لوگوں
 سے سابقہ پڑا تھا وہ بھی اسے ایک الہ تفریح سمجھتے تھے۔ رادھ پہلا آدمی تھا جو اُس
 کو چہرے سے ناواقف ہونے کے باعث اسے اپنا شریک غم بنا نا چاہتا تھا۔
 ایک دن اس نے دورانِ گفتگو میں زہرہ سے کہا، تم مجھ پر اتنی مہربان ہو کہ

میں ڈرتا ہوں کہ تمہاری محبت میں گرفتار نہ ہو جاؤں مگر تم سے وفا کی امید ہو سکتی ہے
 زہرہ نے دل میں خوش ہو کر اپنی مخمور آنکھوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
 ہم وفا کیا جانیں ہمارا تو پیشہ ہی حسنِ فروشی ہے۔
 رمار کیا اس میں کوئی شک بھی ہے۔

زہرہ مطلق نہیں۔ آپ لوگ ہمارے پاس محبت سے بے نیاز دل لے کر آتے
 ہیں مگر ہم اتنے بے وفا ہیں کہ اس کی ذرا بھی قدر نہیں کرتے رہے یہی بات نہ؟
 رمار بے شک!

زہرہ رومحاف کیجئے گا۔ آپ مردوں کی طرف داری کر رہے ہیں مگر یہ ہے کہ
 آپ لوگ ہمارے پاس محض تفریح کے لئے آتے ہیں محض غم غلط کرنے کے لئے۔
 محض نفسانی خواہشوں کو پورا کرنے کے لئے جہاں آپ کو وفا کی تلاش ہی نہیں وہاں
 وفا سے کیونکر! لیکن اتنا ہی جانتی ہوں کہ ہم میں جتنی بے چاریاں مردوں کی بے بہری
 اور بے وفائی سے نالیوں میں گھون جگر پیتی ہیں ان کا پتہ اگر دنیا کے چلے تو آنکھیں کھل جائیں یہ
 ہماری حماقت ہے کہ تماشِ بیہوشی سے وفا کی امید رکھتے ہیں مگر بیاسا آدمی اندھے
 کنوئیں کی طرف دوڑے تو میرے خیال میں اس کا کوئی قصور نہیں۔

آج تو حضرت خوب مرے میں آئے۔ خدا نے چاہا تو چار دن کے بعد بیوی کا نام
 بھی نہ لیں گے۔

دردِ غم نے خوش ہو کر کہا۔ یہ تو میں نے پہلے ہی سمجھ رکھا تھا۔ لطف تو یہ ہے
 کہ اس کی بیوی مایوس ہو کر چلی جائے۔ ایسے گاؤں کو سبز باغ دکھانا تمہارے
 بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔

زہرہ کی آمد و رفت بڑھنے لگی، بالآخر ماخود اپنے ہی جال میں پھنس گیا، اس
 نے زہرہ سے الفت کا سوانگ بھر کر افسروں کی نگاہوں میں اپنا وقار جمانا چاہا تھا

لیکن زہرہ اب اُسے وفا اور محبت کی دیوی سی معلوم ہوتی تھی، وہ جالپا کی سی حسین نہ
 سہی، انظار محبت میں اس سے کہیں زیادہ ہوشیار، ناز و اداس اس سے کہیں زیادہ
 پختہ کار اور سحر آفرینی میں کہیں زیادہ مشتاق تھی، سر دلورح رما کے دل میں نئے نئے منصوبے
 پیدا ہونے لگے۔

ایک دن اس نے زہرہ سے کہا، زہرہ کی جدائی کی گھڑی آ رہی ہے، دو چار
 دن میں یہاں سے چلا جاؤں گا۔ پھر تو مہتیں میری یاد بھی نہ آئے گی۔
 زہرہ نے محبت آمیز لہجہ میں کہا، اب مہتیں نہ جانے دوں گی۔ یہی کوئی اچھی
 سی نوکری کر لینا، پھر ہم دونوں آرام سے رہیں گے۔
 رما مخمور ہو کر بولا، یہ دل سے کہتی ہو زہرہ؟ دیکھو مہتیں میرے سر کی قسم! دعا

مت دینا۔

زہرہ راگریہ خوف ہے تو نکاح پڑھا اور نکاح کے نام سے نفرت ہو تو
 شادی کر لو، اب اس کے سوا اپنی محبت کا کیا ثبوت دوں۔

غلوں میں ڈوبے ہوئے ان الفاظ نے رما کو متالا کر دیا۔ اس نے سوچا یہ نازنین
 جس پر بڑے بڑے رئیس خدا ہیں میرے لئے اتنی بڑی قربانی کرنے کو تیار ہے اس کی
 خوش نصیبی کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے، جس کاں میں دوسروں کو
 بالوکے ڈرے ملتے ہیں اس میں اسے سونے کے ڈرے مل گئے، کیا یہ حسن تقدیر نہیں ہے
 رما کے دل میں کئی روز تک کشمکش ہوتی رہتی۔ جالپا کے ساتھ آنے والی زندگی کا خیال
 کہ وہ بالوس ہو جاتا تھا، وہ زندگی کتنی خشک اور صبر آزما ہو گئی۔ جالپا قدم قدم پر
 فرض اور حق کا جھنڈا لے کر کھڑی ہو جائے گی اور اسے زائد ہون کی سی زندگی بسر
 کرنی پڑے گی۔ فقیرانہ زندگی میں رما کے لئے کوئی کشش نہ تھی۔ عام آدمیوں کی طرح
 وہ بھی عیش و آرام چاہتا تھا۔ زندگی کے مزوں سے اس کی طبیعت سیر نہ ہوئی تھی۔

تبیونی جا بیا کی طرف سے ہٹ کر اس کا عیش پروردی زہرہ کی طرف دوڑا۔ اسے ناز
فروشوں کی مثالیں یاد آنے لگیں۔ رجن کی عصمت کی قسم کھائی جا سکتی تھی۔ اس کے
ساتھ ہی رنگین مزاج اور وفا شعار بیویوں کی مثالیں بھی آئیں۔ اس نے دل میں
فہیلہ کیا یہ سب ڈھکوسلہ ہے۔ انسان کی طبیعتیں جدا جدا ہیں۔ پردہ کے باہر آ جانے
سے کوئی گنہگار نہیں ہو جاتا۔ اور نہ پردے کے اندر بیٹھ کر کوئی عصمت مآب ہو جاتا ہے
یہ سب زندگی کے اتفاقات ہیں۔

زہرہ روز آتی اور بندھن میں ایک گانٹھ دے کر چلی جاتی۔ ان حالات میں کئی
منتقل مزاج نوجوانوں کے بھی آسن ڈول جاتے۔ رمانو عیش کا بندہ تھا۔ اب نک وہ
مضی اس لئے بے راہ نہ ہوا تھا کہ جوں ہی اس نے پر نکالے صیاد نے اسے پیچھے سے
قید کر لیا۔ کچھ دن پیچھے سے باہر آ جانے پر بھی اسے پرواز کی ہمت نہ ہوئی۔ اب اس
کے سامنے ایک نیا اور وسیع منظر تھا۔ وہ چھوٹا سا کھیتوں والا بیجرہ نہیں بلکہ پھول
سے لہراتا ہوا باغ جہاں کی قید میں بھی آزادی کا مزہ تھا۔

(۴۷)

راجیوں بیویوں زہرہ کے دائم الفت میں پھنستا جاتا تھا پولیس کے افسر اس کی
طرف سے بے فکر ہوتے جاتے تھے۔ اس کے اوپر جو قید میں لگائی گئی تھیں وہ رفتہ
رفتہ ترک ہوتی جاتی تھیں۔ ایک دن رما ڈپٹی صاحب کے ساتھ سیر کرنے نکلا تو موٹر
دیہی دین کی دکان کے سامنے سے گزری۔ رمانے اپنا سر اندر کھینچ لیا کہ کسی کی اس
پر نظر نہ پڑ جائے۔ وہ یہ جانتا چاہتا تھا کہ جا لیا ہے یا چلی گئی۔ لیکن دیہی دین
کو دیکھ کر اس کا سر آپ ہی آپ شرم سے جھک جاتا۔ وہ کسی دلیل سے اپنے اظہار
کی حمایت نہ کر سکتا تھا۔ اس کی خبر بیت اسی میں تھی کہ وہ ان لوگوں سے اب بلنا چلتا

پھوڑے، شہر میں تین آدمیوں کے سوا چوتھے آدمی سے ... اس کی ملاقات یا راہ و رسم نہ تھی جس کی خوف گیری کی اسے پرواہ ہوتی۔

موٹر ادھر ادھر گھومتی ہوئی پھوڑے کے پل کی طرف جا رہی تھی کہ بیکار ریلنے ایک عورت کو سر پر کنگا جل کا کلسار کھے گھاٹوں کے اوپر چڑھتے دیکھا کہ اس کے کپڑے بہت میلے ہو رہے تھے اور اتنی لاغر تھی کہ کلسے کے بوجھ سے اس کی گرد ہری ہو رہی تھی۔ اس کی چال کچھ کچھ جالپا سے لٹی ہوئی معلوم ہوئی۔ ریلنے سوچا جالپا یہاں کیا کرنے آئے گی۔ کوئی دوسری عورت ہوگی۔ اس کی صورت دیکھ کر مزید اطمینان کرنا چاہتا تھا۔ مگر ایک ہی لمحہ میں کار اور آگے بڑھ گئی۔ اور راکو اس کا چہرہ دکھائی دیا۔ اس کا کلیجہ دھک سے ہو گیا یہ جالپا ہی تھی۔ اس نے کھر کی کی بجل میں سر جھکا دیا۔ بیشک جالپا تھی۔ مگر کتنی لاغر اندام گویا کوئی بیکس ضعیف ہو۔ چہرہ پر ردق تھی نہ وہ سادگی اور زندہ غرور۔ ریلنے دُر نہ تھا۔ اس کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ جالپا اس حالت میں اور اس کے جیتے جی۔ غالباً دی دین نے اسے گھر سے نکال دیا ہے۔ اور وہ مزدوری کر کے بسر کر رہی ہے مگر نہیں دی دی ہیں اتنا بے مروت نہیں ہے۔ جالپا نے خود اس کے سایہ حمایت میں رہنا منظور نہ کیا ہوگا خالی طرف تو ہے ہی۔ مگر کسے معلوم ہو کیا بات ہے۔

موٹر دور نکل آئی تھی۔ راکو کی ساری شوقین مزاحیہ ساری شوریدہ سری غائب ہو گئی۔ اس میلے کپڑے والی ستم رسیدہ جالپا کی صورت آنکھوں کے سامنے کھڑی تھی۔ کس سے پوچھے کہاں جائے۔ جالپا کا نام بھی زبان پر آجائے تو سب کے سب بدگمان ہو جائیں اور اسے قید تنہائی میں ڈال دیں۔ ہائے جالپا کے چہرے پر کتنی حسرت تھی۔ آنکھوں میں کتنی بے بسی۔

کچھ دیر کے بعد زہرہ آئی۔ مسکراتی اور ہلکتی۔ راکو اس سے کچھ بھی مخاطب ہوا۔ زہرہ نے پوچھا۔ آج کسی کی یاد آ رہی ہے کیا۔

یہ کہتے ہوئے اس نے اپنی گول مکھن سی نرم باہیں اس کی گردن میں ڈال کر اسے
اپنی طرف کھینچا۔ رانے ذرا بھی مزاحمت نہ کی۔ اس طرح اس کے سینہ پر اپنا سر رکھ دیا۔
گویا اب یہی اس کا سہارا ہے۔

زہرہ نے درد مندانہ لہجہ میں پوچھا، سچ بتاؤ آج اتنے ادا اس کیوں ہو۔ کیا مجھ
سے کسی بات پر ناراض ہو۔

رانے رقت آمیز انداز سے کہا، ہمیں زہرہ تم نے مجھ بد نصیب پر جتنا رحم کیا ہے
اس کے لئے میں ہمیشہ تمہارا احسان مند رہوں گا۔ تم نے اس وقت مجھے سنبھالا جب
میری زندگی کی لڑٹی ہوئی کشتی غوطے کھا رہی تھی وہ دن میری زندگی کے سب سے مبارک دن
ہیں اور میں اپنے سینے میں انہیں ہمیشہ محفوظ رکھوں گا۔ مگر بد نصیبوں کے لئے دنیا میں آسائش
کہاں۔ میں نے آج جا لیا کو جس صورت میں دیکھا ہے وہ میرے دل کو بھالوں کی طرح تھپید
رہا ہے آج وہ پھٹے اور میلے کپڑے پہنے سر پر پانی کا کلسا لئے چلی جا رہی تھی۔ اسے
اس حالت میں دیکھ کر میرے جگر کے ٹکڑے ہو گئے۔ مجھے اپنی زندگی میں کبھی صدمہ نہ
ہوا تھا کچھ نہیں کہہ سکتا اس پر کیا گزری ہے

زہرہ نے پوچھا، وہ تو اس ماڈار کھٹک کے گھر پر تھیں۔
را۔ ہاں تھی تو مگر نہیں کہہ سکتا کیوں وہاں سے چلی گئی۔ میرے ساتھ ڈیڑھ سال
تھے ان کے سامنے میں اس سے کچھ پوچھ نہ سکا۔ میں جانتا ہوں وہ مجھے دیکھ کر منہ
پھیر لیتی اور شاید مجھے حقیر سمجھتی۔ مگر کم سے کم مجھے اتنا معلوم تو ہو جاتا کہ وہ اس
وقت اس حالت میں ہے۔ زہرہ ہمیں اپنے دل میں چاہے جو سمجھ رہی ہو لیکن
میں اس خیال میں مست ہوں کہ ہمیں مجھ سے محبت ہے اور محبت کرنے والے
سے ہم کم سے کم بخیر روی کی امید ضرور رکھتے ہیں۔ یہاں ایک بھی ایسا آدمی نہیں
جس سے میں اپنے دل کا درد کہہ سکوں۔ تم بھی مجھے گمراہ کرنے کے لئے ہی بھیجی گئی